مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی

میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ

اور

درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں

احقر شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچا شعبان ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔ اس کے بعد وہاں تقریباً ڈیڑھ سال اور رہا۔ یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت بھی بدستور سابق سرسبز و شاداب تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ مسندِ صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی باکمال تلامذہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے حدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر تمام عقلی و نقلی علوم کا درس دے رہے تھے۔ اس گلشن قاسمی و رشیدی میں ایک عجیب رونق تھی۔

یہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ہیں جو شیخ الادب والفقہ کہلاتے ہیں۔ حدیث میں شمائل ترمذی وغیرہ ڑھاتے ہیں، دن رات دارالعلوم کی تعمیر ظاہری و باطنی اور تشنگان علوم کی سیرابی میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ہیں جو جامع معقول و منقول ہیں، مسلم شریف اور معقول کی کتابوں کا درس دیتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا عبدالسمیع ہیں۔ دیوبند کے باشندے ہیں۔ مدتوں سے دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں سادہ لباس اور بے تکلف عالم ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جھوم جھوم کر پڑھاتے ہیں۔ تقریر کا انداز بھی بڑا پرکیف ہے ان نہایت صاف و شستہ ہے۔ بستان المحدثین مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیس اردو ترجمہ انہوں نے کیا ہے حضرت مفتی محمد حسن صاحب بھاگلپوری بھی بحیثیت مفتی دارالعلوم یہاں جود ہیں۔ بڑے متبع سنت، بڑے پابند اوقات بزرگ ہیں۔ یہ حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندی ہیں۔ روزانہ ابوداؤد کا درس دینے کے لئے دارالعلوم آتے ہیں۔ عجیب شان کے بزرگ ہیں، عصا ہاتھ میں اور ابوداؤد کے اجن کا درس دینا ہے، وہ ان کے پاس ہیں۔ آہستہ آہستہ، نیچی نظریں کئے ہوئے صاف ستھرا دیدہ زیب لباس

زیب تن کرکے تشریف لاتے ہیں۔ درس دے کر پھر اپنے مکان چلے جاتے ہیں۔ مکان پر ملاقات کرنے والوں کو عصر کے بعد سوق دیتے ہیں صرف نماز با جماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور گھر چلے جاتے ہیں تصنیفات و تالیفات بھی ان کی کافی ہیں۔ گلزار سنت ان کی بہترین کتاب ہے۔ دو کتابیں علم فرائض میں ہیں۔

حضرت شیخ الہند کی سوانح عمری بھی انہوں نے لکھی ہے۔ جو بہت ہی دل نشیں اور عمدہ طرز تحریر سے آراستہ ہے۔ آج میں انہیں پر کچھ لکھوانا چاہتا ہوں۔ ان کا تصور بھی کبھی کبھی آجاتا ہے۔ نہ معلوم پچھلے دو مہینوں سے یہ تصور کیوں بڑھتا گیا۔ میاں صاحب کی باتیں یاد آتی ہیں۔ ان کا درس یاد آتا ہے۔ ان کا چلنا پھرنا یاد آتا ہے۔ ان کی نگاہ پر کیف بھی آتی ہے ع

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں ہمارے سمائے ہوئے ہیں

میں نے ان کے درس ابوداؤد شریف کی تقاریر کو ضبط کر لیا تھا۔ گو اس میں پورا کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن خاص خاص تشریحات، توضیحات کو اسی وقت لکھ لیا تھا (حالانکہ وہ خود بھی زیادہ تقریر نہیں فرماتے تھے پھر بھی جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کو بجنسہٖ قلم بند نہ کر سکا۔

تقاریر ابوداؤد کی یہ کاپی میرے لئے حرز جان بنی رہی۔ اور جہاں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے افادات میرے کام آئے، وہیں ابوداؤد پڑھاتے وقت یہ قیمتی شذرات بھی میرے لئے رہنما بنتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اول میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھوڑے سے حالات مع چند ملفوظات کے تحریر کرا دوں۔ پھر درس ابوداؤد کے چند نمونے لکھاؤں۔

میاں صاحب کی ایک سوانح عمری ان کے صاحبزادے مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند نے لکھی ہے۔ وہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت غنیمت ہے۔ اگر یہ کتاب سامنے نہ ہوتی تو میاں صاحب کے قابل ذکر حالات کا بھی پتہ نہ چل سکتا۔ اس کتاب پر اضافہ تو کیا ہوتا خود یہ کتاب بازار سے غائب ہے۔ دیوبند جو تجارتی کتابوں کی منڈی ہے وہاں اس کا پتہ نہیں۔ دہلی میں بھی یہ کتاب نہیں ملی۔ سہارنپور میں بھی غالباً موجود نہیں[1] یقیناً یہ ہماری بے حسی کی بات ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نقوش کو ابھارنے بلکہ محفوظ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔

مختصر سوانح و احوال حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ آپ شاہ سید محمد حسن دیوبندی کے صاحبزادے تھے

---

[1] مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاد دارالعلوم کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے مدنی دارالمطالعہ دیوبند سے عاریتہً یہ کتاب حاصل کرکے مجھ تک پہنچائی۔

۸ر شوال ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۷۷ء کو بروز سہ شنبہ بعد عشا پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے والد کے حقیقی ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منّا شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بسم اللہ پڑھ کر اپنے والد بزرگوار سے تعلیم شروع کی۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال میں تعلیم قرآن پاک حاصل کر کے والد ماجد ہی سے فارسی پڑھنی شروع کی۔ اور دورانِ تعلیم سوائے اپنے کارِ تعلیم کے کبھی کھیل کود یا فضول کام سے واسطہ نہ رکھا۔ گلستاں تک اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر دارالعلوم کے درجہ فارسی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بوستاں وغیرہ کتب فارسی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو اس وقت دارالعلوم میں درجہ فارسی کے مدرس اول تھے۔ اور فنِ حساب جناب مولانا محمد منظور احمد دیوبندی مرحوم سے حاصل کیا جو اس وقت دارالعلوم کے مدرس ریاضی تھے۔ میاں صاحب نے درجہ فارسی کی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۳۱۰ھ میں درجہ عربی میں داخلہ لیا۔ آپ دارالعلوم میں پڑھتے بھی رہے اور وقت نکال کر اپنے والد صاحب کے مدرسے میں پڑھاتے بھی رہے۔ ۲۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۲ھ کو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نائب مہتمم اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کی موجودگی میں میاں صاحب کو بلا کر فرمایا۔

"صاحبزادے والد صاحب کے انتقال سے پڑھنا مت چھوڑ دینا تحصیلِ علم میں مشغول رہنا"

جواب میں آپ نے عرض کی۔ "بہت اچھا"

اس وقت آپ شرح وقایہ پڑھ رہے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے مدرسہ کو پڑھانے کا کچھ وقت دیتے رہے۔ اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ شہر کے بعض ہمدردانِ مدرسہ نے بہت اصرار کیا کہ اپنے والد کے مدرسہ ہی کو سنبھال کر بیٹھ جائیں۔ یا اس کی نگرانی کا ذمہ لیں۔ میاں صاحب نے دونوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے فرمایا

"آپ خود ہی کوئی انتظام کر لیں۔ میں پڑھوں گا، مجھے نگرانی کی بھی فرصت نہ ہوگی"

اس کے بعد آپ نے حسب فرمودہ حضرت شیخ الہندؒ اپنے والد کے مدرسہ میں پڑھانا موقوف کر دیا۔ اور تعلّمِ علمِ عربی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ سے بہت سی کتابیں پڑھ کر اپنے استادِ خاص حضرت شیخ الہند کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ زمانۂ تعلیم میں نہایت انہماک کے ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اپنے اساتذہ انتہائی ادب و احترام کرتے تھے۔ یہی بات عنایات کا باعث بنی۔

مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" جناب مولانا اختر حسین صاحبؒ نے (جو آپ کے صاحبزادے ہیں) آپ کے زمانۂ تعلیم کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

"ایک مرتبہ آپ کی اپنے استاد شفیق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے بوقت درس سن کر کچھ تقریریں اور یادداشتیں جمع کی ہوئی کاپی کسی طالب علم نے چرا لی۔ آپ کو بہت رنج ہوا کوئی صورت دستیاب ہونے کی نظر نہ آئی تو اسی غم میں ایک روز مدرسہ بھی نہ گئے۔ اور حاضر درس نہ ہوئے۔ استاد شفیق کو خبر ہوئی تو عصر کے بعد تسلی دینے کے لئے مکان پر تشریف لا کر دریافت کر کے افسوس ظاہر فرمایا۔ صبر دلایا اور دریافت فرمایا کہ:

"کیا تمہاری ہی لکھی ہوئی تھی؟" آپ نے عرض کیا "جی حضرت میں نے ہی لکھی تھی"

فرمایا "پھر کیا غم ہے پھر لکھ لینا۔ اور عجب نہیں کہ مل جائے"

اگلے روز بخاری کے سبق کے بعد سب طلبہ کو خطاب کر کے نہایت جوش سے فرمایا۔

"دیکھو ہمارے سید کی تقریر جس نے لی ہو، دے دو۔ ان کو بہت رنج ہے۔ اگر نہیں دے گا تو چاہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو جائے لیکن علم سے ہمیشہ محروم رہے گا"

یہ سن کر سب طلبہ دم بخود رہ گئے۔ اور تین چار روز بعد چور نے حسن تدبیر سے وہ تقریر رکھ دی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے لی اور کیسے واپس ہوئی۔

۱۳۲۰ھ میں میاں صاحب نے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے علاوہ اس سند کے جو سب طلبہ فارغین کو دی جاتی ہے۔ ایک خصوصی تحریر بھی آپ کو مرحمت فرمائی جو یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً۔ اما بعد!

مولوی سید اصغر حسین ولد سید محمد حسن صاحب مرحوم ساکن دیوبند ضلع سہارنپور، اس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں ابتدائے ۱۳۱۰ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ تک نہایت محنت اور شوق سے تحصیل علم میں مشغول رہے اس مدت میں مدرسہ ہذا کے سلسلہ نصاب کی تمام کتب درسیہ من اولہا الی آخرہ اچھی طرح پڑھیں اور مدرسے کے مدرسین و منتظمین کی ہمیشہ ان پر شفقت رہی۔ اور سب ان سے خوش رہے۔ یہ چند کلمات بطور سند کے تحریر کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے توفیق خیر کی دعا کی جاتی ہے۔

العبد العبد

محمود حسن احمد (مہتمم مدرسہ عربیہ) یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

میاں صاحب نے کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ وہ اپنے والد کے ماموں سید محمد عبداللہ شاہ عرف متا شاہ دیوبندی سے بچپن ہی سے روحانی ربط رکھتے تھے۔ سید محمد عبداللہ شاہ اپنے اس نو عمر فیض یافتہ

کو کبھی میم شاہ اور کبھی فرخ سیر کہتے تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں سید عبداللہ شاہ کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی۔ اور اپنے بھتیجے سید محمد حسن صاحب اور بھانجے کے دو لڑکوں خورشید حسن صاحب، میاں اصغر حسین صاحب اور سید محمد حسن صاحب کے بھانجے سید محمد قاسم صاحب کے لئے زبانی و تحریری بیعت (عثمانی) مع الاجازت حاصل کرکے لائے۔ اس تحریر کی نقل یہ ہے۔

بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت برائے عزیزان، شاہ محمد حسن و سید قاسم علی و خورشید حسن و فرخ سیر مقبول و منظور کردہ دعائے خیر ادا کردہ شد۔	بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت عزیزان شاہ محمد حسن، سید قاسم علی، خورشید حسن اور فرخ سیر کے واسطے قبول و منظور کرکے دعائے خیر ادا کی گئی۔

سید عبداللہ شاہ نے وطن واپس ہوکر حضرت حاجی صاحب کا یہ تحریری اجازت نامہ کردیا اور اپنی بیعت و اجازت کے شرف سے بھی میاں صاحب کو مشرف کیا۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب برابر آپ کی خدمت و صحبت میں رہ کر فیوض و کمالات باطنی سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب نے انتقال سے ایک روز قبل حضرت میاں صاحب کو فرخ سیر کے لقب سے پکار کر اپنے سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا۔

"اصغر تیرے سینے سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے۔ اور مخلوق خدا کو تجھ سے فیض پہنچے گا"

ملازمت جونپور | فراغت کے بعد غالباً ایک سال چند ماہ دارالعلوم کا کچھ دفتری کام بطور اجرت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہند اور حافظ محمد احمد صاحب نے مدرسہ مسجد اٹالہ کی معلمی کے لئے جونپور روانہ کیا۔ وہاں بیس روپے ماہوار پر تقرر ہوا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ کو دیوبند سے جونپور پہنچے۔ اور ۱۶ ذی قعدہ کو اسباق مدرسہ شروع کرادئے۔ ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۷ھ تک سات سال برابر اہل جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض سے مستفیض فرماتے رہے۔ اس ہفت سالہ قیام میں شہر جونپور اور گرد و نواح کے لوگ آپ کے اوصاف حسنہ اخلاق جمیلہ اور کمالات علمیہ کی وجہ سے بہت گرویدہ اور معتقد ہو گئے تھے۔ درس و تدریس، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر و مراقبہ کی مصروفیتوں سے جو وقت ملتا اس میں تصنیف و تالیف فرماتے تھے۔

لہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ سید عبداللہ شاہ میاں صاحب کو فرخ سیر کہا کرتے تھے۔

آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسالہ "القاسم" جاری کرنے کی تجویز ہو چکی تھی۔ اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے آپ کو بلانے کی سعی ذمہ داران دارالعلوم کی طرف سے اسی وقت سے کی جا رہی تھی۔ اور برابر سلسلہ خط و کتابت جاری تھا لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے کچھ عذرات پیش کرتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی ایک متفقہ تحریر آپ کو بلانے کے لیے جونپور پہنچی اس کے جواب میں میاں صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کو لکھا کہ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور۔ اور اگر تخییر ہے تو مجھے یہاں پر بہت آزادی ہے۔ علمی مشغلہ کے علاوہ تصنیف و تالیف، اوراد و وظائف کا موقعہ بھی مل جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سعادت مند شاگرد رشید کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ بے تکلف طرز مکاتیب کا بہترین نمونہ اور ان کی حکمت عملی اور دور اندیشی کا آئینہ دار ہے۔ یہ مکتوب گرامی "سوانح حیات میاں صاحب" سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

" برادر مکرم بارک اللہ فیکم وسلم

بندہ محمود تسلیمات مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔ گرامی نامہ پہنچا۔ بندہ کو مادۂ سوداوی نے ستا رکھا ہے ابھی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہو سکتا۔

آپ جیسے مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی بے جا ہے۔ خط جو آپ کے پاس گیا تھا اس پر یہ ضعیف بھی شریک تھا۔ آپ کا خیال درست ہے۔ اول اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ عالم شہود سے دور برزخ کے قریب ہو رہا ہوں، اتنا فکر ضرور ہے کہ استادؒ سے بفضل اللہ اگر منشا فہت کی نوبت آ گئی اور پوچھا کہ کہو مدرسہ کس پر چھوڑا؟ اور کس حالت میں ہے؟ تو اس کا جواب ایسا دے سکوں کہ پسند خاطر حضرت ہو۔ اس کی تدبیر کوئی نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلصین صالحین لائق کے نام گنوا دوں۔ سو آپ کی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند احباب مگر حقیقت میں مفید و کارگر، کسی بہانے سے احاطہ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔

آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں باللہ العظیم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ کہ آپ مشغلہ تدریس سے یکسو ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ مشغلہ تدریس حالت موجودہ سے زائد نصیب ہو۔ میں تو آپ کے بلانے ہی کے لیے تدبیر موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں۔ یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سید صاحب مشغلہ علمی سے یکسو ہو کر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سردست رسالہ کی گاڑی سنبھالنے کا کوئی لائق معتمد علیہ شخص ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد رسالہ کے لیے انشاء اللہ بہت پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت رسالے کی ابتدا اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے

کے خلاف پڑ گئی تو اندیشے کی بات ہے۔ اس وجہ سے بے شک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالدار بالفعل بنا دیا جاوے۔ اس لئے اپنا خیال عرض کرتا ہوں۔

آپ کو پسند اور بے تکلف گوارہ ہو تو سبحان اللہ ورنہ جو آپ کو منظور ہو ہم کو منظور ہو گا۔ اور آپ سے بخدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ بھی ان شاء اللہ نہ ہو گا۔ وہ (خیال) یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ کے احاطے کے اندر اللہ کا نام لے کر آجائیں۔ ان شاء اللہ آپ کے شغل تدریس کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی۔ کہ قصور نہ آوے اور یہ شیخ چلی کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو دو ماہ سے لے کر چھ ماہ تک رخصت لے کر تشریف لا کر رسالے کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرما جائیں۔

اس کے بعد جو صورت آپ پسند فرمائیں۔ اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت بلکہ متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں۔ ان چند روزوں میں جو آپ کو رسالے کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی اس کا حساب کیا جائے گا۔ کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم۔ سو یہ میرا خبط ہے جو خیال کے قابل نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ یہاں کسی عنوان سے آئیں گے۔ غالباً وہ آزادی اور استقلال جو جونپور میں ہے۔ آپ بوجوہ مختلفہ میسر نہ ہو گا۔ مگر کیا کروں اپنے خیال خام کی وجہ سے جیسا خود مقید ہوں اپنے لائق مخلصین کو بھی مقید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ آپ بالکل مدرسہ اور خدام مدرسہ کے خیر اندیش اور بہی خواہ ہیں۔ اور ہم خدام مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعاگو ہیں۔ خط آپ ہی ختم ہو گیا کاغذ ہی نہیں رہا۔

والسلام مع الاکرام۔ فقط [1]

اس مکتوب گرامی کے پہنچنے پر آپ نے جونپور کی ملازمت چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ ہر چند اہل شہر اور باشندگان نواح شہر نے بالحاح وزاری کہا۔ کہ آپ یہاں سے نہ جائیں اگر تنخواہ بڑھوانا چاہیں تو تنخواہ بڑھوا دی جائے اگر اسباق کم کرانے چاہیں تو وہ کم کرا دیئے جائیں۔ مگر آپ نے یہی کہا کہ استاد محترم کا حکم واجب التعمیل ہے۔

آپ کا دارالعلوم سے تعلق اور رسالہ "القاسم" کا اجراء | ۱۳۲۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ آپ کے متعلق تصنیف و تالیف اور جملہ انتظام اجرائے رسالہ "القاسم" کر دیا گیا۔ جسے آپ نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ایک ہی دو سال میں "القاسم" کی اشاعت خیال سے زائد ترقی پذیر ہو گئی۔ آپ کے حسن انتظام سے "القاسم" بیش بہا مضامین سے مزین ہو کر ماہ بماہ نکلتا رہا۔ اور اس سے خواص و عوام فیضیاب ہوتے رہے۔

---

[1] "سوانح حیات" میں حضرت شیخ الہند کے تین اور مکتوب بھی جو میاں صاحب کے نام ہیں درج ہیں

درسِ حدیث | مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" تحریر فرماتے ہیں:

جب رسالے کے اجراء اور قیام کا انتظام ہر اعتبار سے مکمل ہوگیا تو حضرت "میاں صاحب" کی خواہش کے موافق ذمہ داران دارالعلوم نے رسالہ کی ادارت و انتظام کو دوسرے صاحب کے سپرد کرکے آپ کے متعلق صرف درس حدیث و تفسیر کردیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوکر اعلیٰ اساتذہ کی صف میں رہ کر تاحیات آپ ہزاروں تشنگانِ علوم کی کماحقہٗ سیرابی فرماتے رہے۔ درس میں کبھی غیر متعلق اور خارجی باتوں کا ذکر نہ فرماتے۔ بلکہ مختصر، جامع اور بہت مفید جملوں میں مسئلہ کی تحقیق اور مطلب کا حل فرما دیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی تقریر میں یہ اثر عطا فرمایا تھا کہ بات فوراً دلنشین ہوجاتی تھی۔

پابندیٔ اسباق | مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" نے اس بارے میں جو فرمایا ہے میں اس کو بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم باوجودیکہ آپ کے مکان سے فاصلہ پر واقع ہے۔ لیکن کیسی ہی شدید سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ تکلیف برداشت کرکے برابر مدرسہ تشریف لے جاتے اور حتی الامکان درس ناغہ نہ فرماتے حتیٰ کہ ۱۳۴۵ھ میں آپ کی جوان عمر صاحبزادی کا انتقال قبیلِ صبح صادق ہوگیا۔ تو نہایت صبر و شکر کے ساتھ آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور بعد نمازِ فجر اپنے فرزندوں کو تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت فرماکر خود مدرسہ تشریف لے گئے اور حسبِ دستور وقتِ مقررہ پر سبق پڑھایا اور سبق کے بعد درسگاہ میں طلبہ سے مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کرائی۔ جب مکان پر تشریف لائے تو جنازہ قریب تیاری تھا۔ اور ایک مجمع اقرباء، اہلِ محلہ اور اہلِ شہر کا موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں مدرسہ سے جانشین شیخ الہند حضرت العلامہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ صدر مدرس اور حضرت العلامہ مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم مدرسہ و دیگر حضرات مدرسین و ملازمین برائے تعزیت تشریف لائے۔ آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ سے نمازِ جنازہ پڑھوائی۔ اور بعد نماز کے جب ان (دونوں) حضرات نے قصدِ معیت جنازہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات مدرسہ تشریف لے جائیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں۔ جنازہ کی تدفین کے لئے اقرباء اور اہلِ شہر کی کافی جماعت ہے۔ اگرچہ ان حضرات نے انکار بھی بہت کیا۔ لیکن باصرار و تقاضا ان کو واپس کرکے جنازہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

اللہ اللہ کس درجہ محتاط، زاہد و متقی صابر و شاکر، راضی برضائے مولا تھے۔

آپ نے ۳۵ سال دارالعلوم میں تعلیم دی۔ اور نشر و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔

سفرِ حج | آپ نے اپنی حیاتِ مبارک میں تین حج ادا فرمائے۔ سب سے پہلا حج ۱۳۳۰ھ میں دوسرا ۱۳۴۷ھ میں اور تیسرا ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا۔

تصنیف وتالیف | بقول مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" آپ نے بزمانۂ قیام جونپور تقریباً سولہ سترہ کتابیں تالیف کیں۔ اور دارالعلوم سے تعلق ہو جانے کے بعد درس وتدریس، ذکر ومراقبہ، اوراد و وظائف اور تلاوت کے ساتھ ساتھ اٹھارہ انیس کتابیں تالیف فرمائیں۔ یہ سب کتابیں نہایت معتبر، عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہیں۔ اور ہر بتدی اور منتہی کے لئے یکساں نفع بخش ہیں۔ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند کی سوانح عمری بھی آپ نے نہایت مؤثر اور دلنشیں الفاظ میں تحریر فرمائی ہے۔ فرائض کی مشہور درسی کتاب سراجی کا حاشیہ بھی عربی زبان میں نہایت عمدہ اور بہترین لکھا جو مدارس اسلامیہ اور اہل علم میں مقبول ہوا۔

تعویذ ودعا | آپ کے والد ماجد شاہ محمد حسن اور آپ کے والد کے ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منا شاہ سے (جو آپ کے مرشد بھی تھے) سلسلہ عملیات چلا آرہا تھا۔ آپ نے بھی ان کے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھا عصر کے بعد حضرت میاں صاحب اہل حاجت کو تعویذات دیتے تھے۔ دیوبند، نواح دیوبند اور دور دور سے لوگ آپ کے پاس برائے تعویذ ودعا آتے تھے۔ اور بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوتے تھے۔

مؤلف سوانح حیات میاں صاحب اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:۔

آپ کے تعویذات تیر بہدف تھے۔ بلاد وامصار ومواضعات کوئی جگہ ایسی نہ ہوگی جہاں پر آپ کی شہرت نہ ہو۔ طالبین اور اصحاب حاجت اس کثرت سے رجوع ہونے لگے۔ کہ کسی وقت آپ کو فرصت نہ دیتے۔ اور آپ کے ذکر و وظائف میں رخنہ انداز ہوتے۔ اس لئے آپ نے عصر سے مغرب تک تعویذات کی تقسیم کے لئے اپنا قیمتی وقت مقرر ومتعین فرما دیا۔ اور علاوہ (اس) مخصوص وقت کے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ اگر طبیعت ناساز ہوئی اور اندر آنے کی عام اجازت دے دی تو بجائے مزاج پرسی کے لوگوں نے تعویذوں کی فرمائش شروع کر دی۔ ایسی حالت میں بھی آپ اہل حاجت کی ضرورت کو پورا فرماتے اور باوجود علالت کے تعویذات مرحمت فرماتے تھے۔ بہت سے آسیب زدہ اور دیوانے زنجیروں میں باندھ کر آپ کے در دولت پر لائے جاتے اور شفایاب ہو کر واپس جاتے۔ روزانہ ایک ہجوم اصحاب حوائج کا آپ کے مکان پر رہتا۔ بعض محض زیارت ودعا کے طالب ہوتے۔ ان کو دعا اور زیارت سے سرفراز فرماتے۔

عادات وخصائل | حضرت میاں صاحب کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کے اخلاق وعادات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ ایک ہی نظر میں کھرے کھوٹے کی شناخت کر لیتے تھے آپ اپنے والد ماجد مرحوم کے شاگردوں پر، جن میں دیوبند کے ہندو مسلم کثیر التعداد لوگ تھے، نہایت شفقت وعنایت فرماتے تھے۔ صدقہ وخیرات اس طرح فرماتے تھے کہ کسی متنفس کو بھی اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ محلہ کے یتیم بچے

غریب، مفلس، بوڑھے جمعہ کو مختلف اوقات میں آتے تھے اور ہر ایک کو حسب ضرورت مخفی طور پر عطا فرماتے تھے مساکین طلبہ دارالعلوم کی ہر طرح سے امداد و اعانت فرماتے تھے۔ اخفاء کا لحاظ اس قدر فرماتے کہ بعض لینے والے کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔

چنانچہ ایک شخص بوجہ غربت و نا داری اپنی جوان لڑکی کی شادی کے لئے سخت پریشان تھا اور بوجہ شرم و بدنامی کسی سے سوال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ سے اس نے دعا کے واسطے عرض کیا۔ آپ نے کچھ کپڑے اور کچھ نقدی ایک اجنبی شخص کے ہاتھ رات کے وقت اس کے مکان پر بھجوا دی۔ اور یہ فرمادیا کہ یہ سامان دے کر فوراً واپس ہو جانا۔ اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دینا۔ غرض اس اجنبی نے ایسا ہی کیا۔ کئی روز تک وہ غریب لوگوں سے دریافت کرتا رہا۔ کہ کس نے ایسے وقت میں میری مدد کی؟ جب معلوم نہ کر سکا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ نہ معلوم کوئی فرشتہ تھا کہ رات کو آیا اور مجھے کپڑے کا تھان اور کچھ روپیہ دے کر فوراً واپس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں آپ کو اس کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہ کون دے گیا اور کس نے بھیجے؟ خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اپنے خرچ میں لاؤ۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر شخص سے اس کے درجہ اور لیاقت کے مطابق تعلق و گفتگو اور معاملہ فرماتے تھے جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ میرے ساتھ بہت خاص تعلق ہے۔ بالخصوص اہل علم کا بہت زیادہ احترام و ادب ملحوظ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اہل علم زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ مونڈھے پر بیٹھ گئے۔ اور جیسا کہ آج کل عام عادت ہے کہ ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیتے ہیں اسی طرح بیٹھ گئے۔ چونکہ یہ ہیئت تواضع کے بھی خلاف ہے اور ادب کے بھی۔ اس لئے اگر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کوئی ایسا کرتا تو فوراً متنبہ فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے علم کا احترام پیش نظر تھا کچھ فرمایا نہیں۔

پھر کئی مہینے بعد جب وہ دیوبند آئے اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ باہر سے اجازت طلب کی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام دیکھئے۔ فرمایا اجازت ہے بشرطیکہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہ بیٹھیں۔ ان کو اس سے پہلے کسی نے متنبہ نہ کیا تھا اور نہ خود ہی اس کا احساس ہوا تھا۔ اب اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے اور جب سامنے آئے تو شرمندگی کے آثار ان پر نمایاں تھے۔ پھر تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایسی بے تکلفی سے گفتگو فرمائی جس سے ان کے قلب سے بالکل یہ اثر جاتا رہا۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حسنہ سے تھا کہ ہر موسم کے پھل اور گنے کے موسم میں کھیر پکوا کر اہل محلہ، طلبہ اور مساکین اور غربا کو تقسیم فرماتے اور کھلاتے تھے۔ بالخصوص آموں کی فصل میں بہت زیادہ مقدار میں خرید کر طلبہ کی دعوت فرماتے تھے۔

ارشاد و ہدایت | آپ کسی کے اندر طلب صادق دیکھتے تو اس کو بیعت فرما لیتے۔ چنانچہ بہت سے اشخاص کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ بنگال، آسام اور کوئی صوبہ اور ضلع آپ کے مریدوں سے خالی نہیں۔ سورت کے علاقے میں کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ آپ ہر سال سورت کے علاقے میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور ایک دو ماہ قیام بھی فرماتے۔ ۲۵ سال متواتر آپ اس علاقے میں تشریف لے جاتے رہے۔ اور لاہور بھی آٹھ نو سال تک آپ تشریف لے جاتے رہے۔ پروفیسر کریم بخش ایم اے کے یہاں آپ کا قیام رہتا تھا۔

پروفیسر صاحب سے آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ رنگون۔ کلکتہ۔ چاٹ گام، نواکھالی وغیرہ لوگوں کو بھی آپ نے اپنے حلقۂ بیعت میں شامل کیا۔

سلسلۂ مرض و وفات | شوال ۱۳۶۲ھ سے راندیر میں سلسلہ مرض شروع ہو گیا تھا۔ دہلی پہنچ کر علاج کرایا۔ پھر دیوبند تشریف لائے۔ گرمی کے زمانے میں مسوری۔ ڈیرہ دون۔ شملہ۔ کسولی اور دیگر مختلف مقامات کے آخری سفر فرما کر ۲۲ رمضان ۱۳۶۳ھ واپس دیوبند تشریف لے آئے۔ ۲۶ رمضان کو بارادۂ راندیر دیوبند سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے مرض کی تکلیف بڑھ گئی اس لئے عید دہلی ہی میں کی۔ اس کے بعد راندیر تشریف لے گئے۔ راندیر میں علاج جاری رہا۔ یہاں سے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں یونانی اور ڈاکٹری علاج کیا۔ اسی حالت میں پونا، کاٹھیاواڑ وغیرہ تشریف لے گئے۔ پھر راندیر اپنی جائے قیام پر تشریف لے آئے۔ سیٹھ اسمٰعیل خان غلام حسین صاحب سورتی کے مکان پر قیام تھا۔ یہاں پر ہر طرح علاج معالجہ کیا گیا۔ بالآخر ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۵ء راندیر میں بروز دوشنبہ بوقت ظہر اس دار فانی سے سفر فرما گئے۔

اپنی وفات سے دس پندرہ روز پہلے یہ بھی فرمایا کہ وطن کو واپس جانے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن راندیر کی زمین نے میرے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ تین چار روز پہلے کئی شخصوں سے یہ بھی فرمایا کہ پیر کے دن تو چلنا ہی ہے۔

راندیر کے گرد و نواح میں آپ کی وفات کی خبر پھیل گئی۔ سورت کے گرد و نواح کے لوگ بھی جمع ہو گئے اور رات کے ۱۰ بجے اس خزینۂ علم و عمل اور مجسم زہد و تقویٰ کو بحالت غریب الوطنی راندیر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ۶۹ سال تین ماہ اور ۱۴ یوم عمر پائی۔

اولاد | آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔

۱۔ مولانا سید اختر حسین صاحب مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند

۲۔ حاجی سید محمد بلال صاحب

دونوں صاحب زادوں کی اولاد موجود ہے۔ حاجی سید محمد بلال صاحب کے صاحبزادے مولانا سید خلیل الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

اب آخر میں حضرت میاں صاحب کے چند ملفوظات درج کیے جاتے ہیں۔

ایک مجلس میں بسلسلہ کلام آیت کریمہ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق پڑھی۔

ترجمہ۔ جو چیزیں تمہارے پاس ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔

اور فرمایا کہ عام طور پر لوگ اس کو مال و متاع اور دولت و سامان پر مقصور سمجھتے ہیں۔ لیکن الفاظ قرآن کے عام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کل احوال و اوصاف اور حوادث و عوارض کا یہی حال ہے کہ سب گذشتنی اور گذاشتنی اور سریع الزوال ہیں۔ جیسے ہمارے مال و متاع کو کوئی قرار و قیام نہیں۔ اسی طرح دوستی، دشمنی، رنج و خوشی، غصہ و رضا جو کچھ دنیا کے لئے ہو سب کا یہی حال ہے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اس لئے نہ کسی کی دوستی اور مہربانی پر اعتماد و اطمینان چاہیئے نہ کسی کی دشمنی اور ناراضی کا بہت زیادہ اثر لینا چاہیئے نہ دنیا کی کوئی راحت و خوشی اس قابل ہے کہ اس میں انسان مست ہو جائے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا غم اس قابل کہ اس میں مایوس و بے دل ہو جاوے کہ یہ سب ختم ہونے والی چیزیں ہیں۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ دنیا وما فیہا فانی ہیں۔ اصل مقصود ہے حیات اخروی اور اس کا مدار ہے قرب خداوندی پر جس قدر قرب خداوندی ہوگا اسی قدر حیات اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور قرب حاصل ہوتا ہے اعلیٰ خصائل حاصل کرنے سے اور رذائل و اخلاق ذمیمہ کو دور کرنے سے۔ تو حیات آخرت اور قرب خداوندی اسی درجہ کا حاصل ہوگا جس درجہ آدمی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوگا۔ اور جس قدر اس میں نقصان ہوگا اسی قدر حیات آخرت جس کی جابجا بشارت دی گئی ہے اور قرآن مجید میں اس کی بھلائی کو بیان کیا گیا ہے۔ ضعیف و ناپائیدار ہو گئی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ آج گھر سے مدرسے جاتے ہوئے ایک تماشہ دیکھا کہ محلہ کوٹلہ میں کنوئیں کے قریب کچھ لڑکیاں جمع تھیں۔ جو جنگل سے گوبر جمع کر کے لائی تھیں۔ اور یہاں بیٹھ کر اس کی تقسیم میں اس طرح مشغول تھیں کہ جیسے کسی جائیداد کی تقسیم کر رہی ہوں۔ ذرا ذرا سی مقدار پر لڑ رہی تھیں۔ ہم بھی ان کا تماشہ دیکھنے کو ایک دو منٹ کھڑے ہو گئے۔ تو معاً حق تعالیٰ نے ایک بڑی حکمت و عبرت قلب میں ڈال کر ان لڑکیوں کے لڑنے کو ہم بڑی حقارت سے دیکھتے اور ہنستے ہیں۔ کہ یہ کس نجاست و غلاظت پر لڑ رہی ہیں۔ لیکن اگر حق تعالیٰ ہماری آنکھیں کھول دیں اور صحیح بصیرت عطا فرماویں تو یقین ہو جائے کہ ہم جس بڑی سے بڑی دولت یا عزت و وجاہت کے لئے باہم برسرپیکار ہیں۔ خاندانوں اور نسلوں میں جنگ و جدل کے سلسلے چلتے ہیں۔ قتل و غارت تک کی نوبت آجاتی ہے۔ ان سب چیزوں کی حقیقت بھی اس گوبر سے زیادہ نہیں۔ اور اللہ والوں کی

...میں ہماری بڑائی ان لڑکوں کی لڑائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک روز بسلسلہ کلام فرمایا کہ دار و مدار ساری ولایت و بزرگی کا اتباع ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ رض کا۔ جس قدر تقویٰ اور خشیت اللہ کا جذبہ ہوتا ہے اسی قدر معرفت حق تعالیٰ پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ مضمون اپنی عاجزی اور خاکساری کا دل میں جم جاتا ہے اور عظمت و جلال خداوندی پیش نظر ہوتی ہے۔ تو تمام خیالات و توہمات فاسدہ دل سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔ اور انعامات بے قیاس اس طرف سے جاری ہو جاتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ انسان سارے شبہات و اشکالات کی بنیاد بندے اور حق تعالیٰ کے درمیان نسبت کا معلوم ہونا ہے۔ یہ نسبت منکشف ہو جائے تو نہ عقیدہ کا کوئی اشکال باقی رہے نہ معاملہ کا۔

ایک مرتبہ فرمایا زندگی مستعار راحت و آرام سے بسر ہو یا تنگی و افلاس سے۔ ہر حال میں شکر گذار رہنا چاہیئے۔ دنیا کی کسی راحت و تکلیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ بہت جلد گذر جاتی ہے نہ یہاں کی راحت کو بقا ہے اور نہ تکلیف کو۔

ارشاد فرمایا۔ بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اہل محلہ کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیکسوں، محتاجوں کی ضروریات سودا سلف لا دیتے تھے ہم سے تو یہ بھی دشوار ہے کہ اپنے کام کو جائیں تو دوسرے کا کام بھی کرلادیں۔ یا کسی محتاج، بیکس، رانڈ بیوہ کا بازار کا کام کردیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑا ثواب مقرر فرمایا ہے کسی کو راستہ بتا دیا۔ کسی کا بوجھ اٹھوا دیا۔ یہ بھی صدقہ ہے اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں۔ صرف ضرورت ہے طلب صادق کی اور نیت خالص کی۔

قومی اسمبلی میں
اسلام کا معرکہ
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی سرگرمیاں
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم — کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب (اقبال)
قومی اسمبلی میں جمہوری قومی و ملی مسائل پر قرار دادیں مباحثات۔ پارلیمنٹ میں موجودہ سیاسی پارٹیوں کا موقف، حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا اسلامی و ملی مسائل کے بارہ میں رویہ۔ شیخ الحدیث کی تقاریر، اور ان کی قرار دادوں پر ارکان اسمبلی کا ردعمل — آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد پر کیا گذری، تحاریک التواء، سوالات اور جوابات، مسودہ دستور میں ترمیمات اور تشریحی تقریریں۔
★ سیاستدانوں کے منشور اور انتخابی وعدے کردار کی کسوٹی پر۔
★ ایک اہم سیاسی دستاویز۔
★ ایک آئینہ اور ایک اعمالنامہ
★ ایک ایسی رپورٹ جو اسمبلی کے شائع کردہ سرکاری رپورٹ کے حوالوں سے بھی مستند ہے۔
★ پاکستان کے مرحلہ آئین سازی کی ایک تاریخی داستان اور ایک ایسی کتاب جس سے علماء، سیاستدان بھی اور اسلامی سیاست میں منہمک افراد و جماعتیں بھی بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔
★ ایک ایسی کتاب جو جہاد حق اور غلبہ اسلام کے علمبردار علماء کیلئے حجت و برہان بھی ہے۔ اور مستقبل میں اسلامی جدوجہد میں رہنما بھی — کتاب شائع ہو چکی ہے اور ترسیل جاری ہے۔
عمدہ کتابت و طباعت حسین سرورق، قیمت پندرہ روپے، صفحات
مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک (پشاور)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED